

سنجدہ سوالات اٹھ رہے ہیں!

قبائلی علاقے میں کام کرنے کا کافی تجربہ ہے۔ بلوچستان کے ایک ضلع میں پلیٹکل ایجنت تھا کہ ضمنی ایکشن کی اقتاد آن پڑی۔ دو سیاسی اتحادی، جو دراصل اندر سے ایک دوسرے سے حد درجہ کدورت رکھتے تھے، میدان میں اُتر پڑے۔ ”مسلم لیگ ن“ اور جمیعت العلماء اسلام فضل الرحمن گروپ۔ قبائلی علاقے کی سیاست حد درجہ پیچیدہ اور مشکل ہے۔ سیاسی دباؤ تو خیر اس عجیب و غریب ملک میں ہر دم، ہر افسر پر ہوتا ہے۔ مگر بلوچستان میں پنجاب سے تعلق رکھنے والے سرکاری عمال کا غیر جانبدار رہنا کافی آسان ہے۔ مگر الیہ یہ ہے کہ پنجاب میں پنجابی افسروں کا غیر جانبدار رہنا ناممکن ہو چکا ہے۔ اس موضوع پر پھر کبھی عرض کروں گا۔ کائنے دار مقابلہ ہوا اور فضل الرحمن گروپ کا ایک پی اے بن گیا۔ جزئیات میں جائے بغیر، چند حقائق سامنے رکھوں گا۔ جو میرے لیے حد درجہ حیران کن تھے۔ جمیعت العلماء اسلام کا انتخابی نظام ”کتاب“ تھا۔ شائداب بھی یہی ہے۔ انکے تمام مقررین، کتاب کو ہماری مقدس کتاب یعنی قرآن کن تھے۔ جلسوں میں انکا نعرہ تھا کہ اس مقدس کتاب کو ووٹ دو۔ قبائلی علاقوں میں ترقی نہ ہونے کے برابر ہے۔ لوگوں میں مذہب مجید بتاتے تھے۔ جلسوں میں انکا نعرہ تھا کہ اس مقدس کتاب کو ووٹ دو۔ قبائلی علاقوں نے خوب کامیابی سے کیا۔ ایکشن کمیشن کار جہان کافی زیادہ ہے۔ چنانچہ یہ مذہبی جذباتیت کو اجاگر کرنے کے متراffد تھا جو اس جماعت نے خوب کامیابی سے کیا۔ ایکشن کمیشن نے کبھی بھی، انتخابی نشان کو ”قرآن مجید“، قرار دینے کا نوٹ نہیں لیا۔ ویسے ایکشن کمیشن ہے کیا، سفارشی لوگوں کی آخری آماجگاہ۔ ایک اور بات، ایکشن سے تین دن پہلے، افغانستان سے ان گنت لوگ ضلع میں آگئے۔ ان تمام کے پاس پاکستانی شناختی کارڈ تھے اور وہ بوریوں میں ڈال کر لائے گئے تھے۔ آپ پاکستانی شناختی کارڈ کی موجودگی میں کسی کو بھی ووٹ ڈالنے کے حق سے محروم نہیں کر سکتے۔ اہم ترین نکتہ یہ بھی تھا کہ یہ تمام لوگ، مولانا فضل الرحمن کے ناصر قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ سلسلہ تو 1977 کے بعد، تقریباً ہر ایکشن میں جاری و ساری رہتا ہے۔ چناؤ سے کچھ عرصہ پہلے، یہ افغانی، قبائلی علاقوں کے ہر حلقتے میں آتے ہیں اور پاکستانی شناختی کارڈ کے ذریعے ووٹ ڈال کرو اپس چلے جاتے ہیں۔ مولانا فضل الرحمن دو تین بار حلقتے میں آئے۔ انکی تقاریر اپنے مسلم لیگی مقابل کو لا دین اور کافر قرار دینے کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھیں۔ بالکل وہی، جو آج وہ عمران خان کے متعلق فرمารہ ہے ہیں۔ دوبارہ عرض کرتا چلوں کہ یہ 1998 کا دور تھا۔ بہر حال، اس ایکشن نے قبائلی علاقوں کے اندر چناؤ کے متعلق وہ براہ راست تجربہ فراہم کیا، جو کم لوگوں کے پاس موجود ہوتا ہے۔

گزارش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان میں کوئی سیاسی جماعت یا گروہ کسی طرح کی بھی اصولی سیاست نہیں کر رہی۔ مذہب جماعتیں، مذہب کارڈ بر ملا استعمال کرتی چلی آ رہی ہیں۔ دیگر جماعتیں، اپنا اپنا آدھا سچ بول کر لوگوں کو بیوقوف بنانے میں مصروف کار ہیں۔ مگر حالیہ چند ماہ میں سیاست میں دیگر پیچیدہ عوامل شامل ہو چکے ہیں۔ جن سے ملکی نظام پر دباؤ بڑھ رہا ہے۔ عدل کی بات یہ ہے کہ اب ہماری چند سیاسی جماعتیں ملکی عناصر پر تنیکی کرنے کی بجائے، غیر ملکی مفادات کے تابع کام کر رہی ہیں۔ یہ صورتحال آج سے پہلے ملک خداداد میں نہیں تھی۔ مقصد کیا ہے۔ اس پر جامع بحث ضروری ہو چکی ہے۔ کسی تعصب اور ذاتی پسند سے بالاتر ہو کر۔ اب حکومت حاصل

کرنے کا مقصد عوامی خدمت تو رہا نہیں۔ سنہرہ امقداد صرف اور صرف ایک ہے۔ لوگوں کو خواب دکھا کر لوٹنا اور قومی خزانے سے جیسیں بھرنا۔ اس میں بد قسمتی سے اب کسی بھی سیاسی گروہ میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں رہا۔ یہ الیہ، پاکستان کی وحدت کے خلاف، گھمیسر سائے پیدا کر رہا ہے۔ سیاستدانوں اور سیاست کو انتہائی نزدیک سے دیکھنے کے باوجود، میں حد درجہ کم اس نازک موضوع پر لکھتا ہوں۔ پر اب چارہ نہیں رہا۔ کیونکہ اس وقت خاموش رہنا حد درجہ جرم ہے۔

کیا یہ سوچنے کی بات نہیں، کہ پاکستان سے جو سیاستدان بن باس لیتا ہے، وہ صرف اور صرف لندن ہی کیوں رہنے کیلئے منتخب کرتا ہے؟ یہ جو ہری سوال ہے اور اسکا جواب آسان نہیں ہے۔ الطاف حسین کی بات جانے دیجئے۔ وہ توزنہ ہی برطانوی خفیہ اداروں کے طفیل ہے۔ مگر نواز شریف، جسے ریاستی اداروں نے تین دفعہ ملک کا وزیر اعظم بنایا۔ نہیں لندن میں رہنا کیوں پسندیدہ معلوم ہوتا ہے؟ عام طور پر گمان ہے کہ یوکے کے اندر حد درجہ شفاقتی ہے۔ کافی حد تک یہ بات درست ہے۔ مگر جہاں، یوکے کے قومی اور بین الاقوامی مفادات کا معاملہ آتا ہے۔ وہاں لندن کی کسی بھی حکومت کا کوئی اصول نہیں۔ نواز شریف کو پاکستان کے عدالتی نظام نے معقوب قرار دیا ہے۔ ان پر اور انکے پورے خاندان پرمنی لانڈ رنگ کے سنگین الزامات موجود ہیں۔ انکے غیر قانونی اثاثوں کو عدالت میں بے تو قیر کیا جا چکا ہے۔ مگر پھر بھی، آل شریف، لندن کے ”شفاف“ نظام میں بڑے آرام سے رہ رہے ہیں۔ یہ وہ نکتہ ہے جس پر حد درجہ احتیاط سے تحریک کرنا چاہیے۔ برطانیہ، امریکہ کا سب سے نزدیکی اور قبل اعتماد حلیف ہے۔ اگر آل شریف کو محفوظ پناہ گاہ میسر کی گئی ہے تو یہ صرف برطانوی حکومت ہی کا فیصلہ نہیں ہے۔ اس میں امریکی ریاستی ادارے بھرپور طریقے سے شامل ہیں۔ غور کیجئے۔ برطانوی ہوم سیکرٹری پریئر میل ہے۔ انکا تعلق ہندوستان سے ہے۔ برطانوی، اٹارنی جزل، سویلا بریور میں ہے۔ انکا تعلق بھی ہندوستان سے ہے۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ اور عدالتی نظام کی سرخیل خواتین براہ راست ہندوستان سے منسلک ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی بھی پاکستان کے حق میں کوئی بھی فیصلہ کریں گے۔ برطانیہ کے ریاستی ادارے بھرپور طاقت کے ساتھ نواز شریف کی حفاظت پر معمور ہے۔ موصوف کھل کر ان تمام سفارت خانوں سے رابطے میں ہیں جو ہمارے ملک کے بدترین دشمن ہیں۔ کسی بھی باخبر انسان سے پوچھ لیجئے۔ وہ آپکو ان سفارت خانوں کی فہرست مہیا کر دیگا۔ نواز شریف ایک قومی سطح کے سیاستدان ہیں۔ انہیں مدد حاصل کرنے کیلئے دشمن ممالک کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے؟ کیوں وہ ان طاقتوں کی ایما پر ملک میں سول وار کی طرف معاملات کو لے جا رہے ہیں؟

اب میں سلیکٹڈ وزیر اعظم کے بیانیے کی طرف آتا ہوں۔ یہ درست بات ہے کہ عمران خان ناعاقبت انڈیش دوستوں میں گھرا ہوا ہے۔ مہنگائی اس شخص کے سیاسی مستقبل کو تقریباً بادر کر چکی ہے۔ مگر سلیکٹڈ کا الزام تو پاکستان کے ہر وزیر اعظم پر گاہے۔ کیا نواز شریف، محمد خان جو نیجو، شوکت عزیز، ظفراللہ جمالی اور معدارت کے ساتھ بینظیر بھٹو اور انکے والد گرامی، ریاستی اداروں کی سلیکشن نہیں تھے؟ دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر ان لیگ واقعی یہ سمجھتی ہے کہ ایکشن میں انہیں دھاندی سے ہرایا گیا ہے تو اس ظلم کے خلاف عدالتوں سے رجوع کیوں نہیں کرتے؟ کہیں ایسا تو نہیں، کہ انکے پاس اپنے اس بیانیے کے ٹھوس ثبوت نہیں ہیں۔ آج تک ان لیگ نے ایکشن کمیشن اور ذیلی اداروں میں دھاندی کے خلاف کتنی پیشیز دائرے کی ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ سلیکٹڈ کا لفظ استعمال کر کے قانون سے راہ

فرار اختیار کی جا رہی ہے۔ صرف الفاظ کے زور پر ایک منتخب وزیر اعظم کو ہٹانے کی بھرپور سازش ہو رہی ہے۔ اس وقت عمران خان کی مقبولیت میں واضح کی آچکی ہے۔ کیا یہ درست طریقہ نہیں کہ نواز شریف، عدالت عظمی میں دھاندی کامقدمہ لیکر جائیں اور وہاں قانونی جنگ لڑنے کے بعد فتح یاب ہوں؟ مگر نہیں، نواز شریف ہرگز ہرگز یہ کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ اسکی کیا وجہات ہیں۔ صرف اور صرف انہیں ہی معلوم ہو سکتی ہیں۔ کرپشن کے الزامات کو بالائے طاق رکھ دیجئے۔ کیونکہ تحریک انصاف کے اکثر اکابرین بھی اس میدان میں ن لیگ اور پیپلز پارٹی کے لوگوں سے کم نہیں۔ مجھے کے پی کا اندازہ نہیں۔ مگر پنجاب میں کوئی بھی بڑا کام، رشتہ دیے بغیر نہیں ہو رہا۔ یہ بات ”فرشتتوں“ کو بھی معلوم ہے۔ اور وہ اس پر کافی خفا بھی ہیں۔ قائدین، لیڈر اپنے فیصلوں سے عظیم گردانے جاتے ہیں۔ نواز شریف، عدالتی اور انتظامی نظام کو جل دیکر لندن تشریف لے گئے اور اب کسی طور پر واپس آنے کیلئے تیار نہیں۔ کیا ایک عظیم لیڈر کا عملی وظیرہ یہی ہونا چاہیے۔ دعوے سے عرض کر سکتا ہوں۔ اگر میاں صاحب، واپس پاکستان آ جاتے ہیں، تو زیادہ سے زیادہ انہیں ”پابند سلاسل“ کر دیا جائیگا۔ مگر اسکے ساتھ انکی سیاسی طاقت میں جس قدر اضافہ ہوگا، اسکا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میاں صاحب، پاکستان آ کر سیاست میں فیصلہ کن کردار ادا کر سکتے ہیں۔ مگر انکے مشیر انہیں یہ دانشمندانہ سیاسی قدم اٹھانے سے روک رہے ہیں۔ کیوں؟ اسکا جواب بھی انہی کے پاس ہوگا۔ انکے مشیر ان گرامی نے انہیں جس راستے پروانہ کر دیا ہے۔ جس طرح انہیں ریاستی اداروں کے سامنے لاکھڑا کیا ہے۔ یہ حد درجہ خطرناک بات ہے۔ سوال تو اٹھتا ہے۔ کہ وہ کوئی بین الاقوامی طاقتیں ہیں جنکی ایما پر میاں صاحب نے عسکری اداروں سے لڑنے کا وہ فیصلہ کر لیا، جو انہوں نے پوری سیاسی زندگی میں نہیں کیا۔ یہ حد درجہ غور طلب بات ہے۔ کہیں یہ تو نہیں، کہ اپنی دولت بچانے اور اقتدار میں آنے کیلئے وہ هر قسم کا سودا کرنے کو تیار ہو چکے ہیں؟ میاں صاحب کو یہ سوچنا چاہیے کہ کیا ریاستی اداروں سے براہ راست شکر کشی، انکے اور پاکستان کے مفاد میں ہے؟ ہرگز نہیں اور پھر تان دوبارہ مولانا فضل الرحمن پر ٹوٹتی ہے۔ وہ ایک جید مذہبی رہنمای ہیں۔ مگر وہ تو پارلیمنٹ کا حصہ ہی نہیں ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اصل دکھاپنے اس عدم موجودگی کا ہے؟ اور ہاں! انکے ماضی کے معاملات کو جانتے ہوئے، کون ان پر انہاً اعتماد کریگا؟ دیکھیے، آنے والے دنوں میں کیا ہوتا ہے؟ ممکن ہے کوئی ایسا حادثہ ہو جائے جس سے سیاست کی بساط ہی اٹھادی جائے؟

راو منظر حیات